دینی مدارس کی سند شہادۃ العالمیہ کی اہمیت اور آئینی حیثیت

مولانا محمد حنیف جالندھری

علم کا اصل مقصد خود شناسی اور خدا شناسی ہے۔ ''علم شریعت'' سے انسان کو حق تعالیٰ شانہ کے احکام اور مخلوق کے حقوق کا پتہ چلتا ہے، اپنے فرائض سے آگاہی حاصل ہوتی ہے، عمل کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ برصغیر میں دینی مدارس کا قیام ''تحفظِ واشاعتِ دین'' کی تحریک کے طور پر کیا گیا تھا۔ چونکہ انگریزوں کو اسلام کے ساتھ دشمنی تھی اس لیے انھوں نے پرائمری تک اسکول کی تعلیم حاصل کرنے والوں کو تو ''خواندہ'' شمار کیا لیکن اعلیٰ سے اعلیٰ دینی تعلیمی اداروں کے فضلاء کو ''ناخواندہ'' کی صف میں رکھا اور اس طرح سے ان پر سرکاری ملازمتوں اور مراعات کے دروازے بند کر کے دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کی گئی۔ انگریزوں کا یہ رویہ اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے تھا، مسلمانوں کے ساتھ انگریزوں کی دشمنی ویسے بھی دشمنی ڈھکی چھپی نہ تھی اور وہ مسلمانوں کے ساتھ ان کے دین کو بھی مٹانا چاہتے تھے لیکن قیام پاکستان کے بعد بھی دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کے ساتھ اس افسوسناک امتیازی سلوک کا سلسلہ جاری رہا اور سولہ سال تک دینی مدارس میں صرف ونحو، منطق، فلسفہ، ادب، فقہ، حدیث اور تفسیر کی درجنوں کتابیں پڑھنے پڑھانے والوں کو ''ناخواندہ'' ہی شمار کیا گیا جن میں بلاشبہ کئی کتابیں ایسی ہوں گی کہ کالج اور یونی ورسٹیوں کے فضلاء صحیح تلفظ کے ساتھ ان کا نام پڑھنے کی صلاحیت سے بھی شاید عاری ہوں۔

یہ افسوس ناک صورتحال ۱۹۸۲ء تک جاری رہی۔ مرحوم صدر جنرل ضیاء الحق کے دور میں بعض علماء کرام نے صدر محترم کی توجہ اس جانب مبذول کروائی کہ مدارس دینیہ کے فضلاء کے ساتھ یہ امتیازی سلوک سراسر زیادتی، علوم دینیہ کی توہین اور دینی علوم سے رغبت رکھنے والوں کی قطعی حوصلہ شکنی ہے، اس کا تدارک کیا جانا ضروری ہے۔ اگرچہ سرکاری تعلیمی اداروں سے ایم اے عربی یا اسلامیات بلکہ پی ایچ ڈی کرنے والوں کا دینی اداروں کے فضلاء سے موازنہ ہی سرے سے غلط ہے کیونکہ عصری تعلیمی اداروں کے فارغ التحصیل علوم دینیہ میں مہارت اور تبحر تو کجا قرآن کریم اور احادیث شریفہ کا سادہ ترجمہ اور مطلب بھی بیان کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، لیکن چونکہ یہ ان کی اعلیٰ اسناد شمار ہوتی ہیں اس لیے دینی مدارس کی سند کو کم از کم ایم اے عربی، ایم اے اسلامیات کے مساوی قرار دیا جائے جب کہ اس سے قبل وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ مفکر اسلام مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ نے اسی سلسلے میں ''قومی اسمبلی'' میں ایک قرارداد پیش کر چکے تھے جو بعد کی کارروائی کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی تھی۔

صدر جنرل ضیاء الحق مرحوم نے اس اصولی اور جائز مطالبے کو فوری طور پر تسلیم کرنے اور شخصی آرڈر جاری کرنے کی بجائے یہ معاملہ یونی ورسٹی گرانٹس کمیشن آف پاکستان کے سپرد کر دیا۔ یونی ورسٹی گرانٹس کمیشن نے اس مسئلے پر غور وخوض کے لیے ملک کی تمام اہم یونی ورسٹیوں کے وائس چانسلرز اور وزارت تعلیم کے اعلیٰ حکام کے علاوہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان، تنظیم المدارس پاکستان، وفاق المدارس السلفیہ پاکستان، وفاق المدارس الشیعیہ پاکستان اور رابطہ المدارس العربیہ پاکستان کے عمائدین کو اسلام آباد میں دعوتِ مشاورت دی جس میں دینی مدارس کے نصاب تعلیم کا ناقدانہ جائزہ لینے کے بعد تمام ماہرین تعلیم نے متفقہ طور پر مدارس کی سند کو ایم اے عربی، ایم اے اسلامیات کے مساوی قرار دینے کی سفارش کی۔ چنانچہ ۱۷ نومبر ۱۹۸۲ء کو یونی ورسٹی گرانٹس کمیشن نے اپنے ایک نوٹیفکیشن نمبر 80918ACAD128 کے تحت وفاق المدارس العربیہ کی شہادۃ العالمیہ کو ایم اے عربی، ایم اے اسلامیات کے مساوی تسلیم کر لیا اور اس کا عملی اطلاق تمام تعلیمی اداروں کے لیے ضروری قرار دیا گیا۔

حاصل یہ کہ دینی مدارس کی سند کو ایم اے عربی واسلامیات کے مساوی قرار دینا کسی کی عنایات خسروانہ کا ثمر نہیں بلکہ نصاب تعلیم کی بنیاد پر اسے تسلیم کیا گیا ہے اور وہ نصاب تعلیم وزارت تعلیم حکومت پاکستان کا منظور کردہ ہے۔ حال ہی میں ایک نئی بحث شروع ہوئی ہے کہ مدارس کی طرف

سے جاری کردہ ایم اے کے مساوی یہ سند الیکشن کمیشن کی جانب سے عائد کردہ بی اے کی لازمی شرط کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے یا نہیں؟ اگرچہ اس سوال کا جواب واضح ہے کہ جس کے پاس ایم اے کے مساوی ڈگری اور تعلیمی قابلیت موجود ہے، اس سے یہ پوچھنا کہ آپ بی اے بھی ہیں یا نہیں؟ بے محل سوال ہے۔ تاہم یہ نکتہ الیکشن سے قبل اٹھایا گیا اور ہم سمجھتے ہیں کہ وہی اس کا صحیح وقت تھا۔ چیف الیکشن کمشنر سے پوچھا گیا کہ مدارس دینیہ کے "وفاقوں" کی جاری کردہ سند کو یونی ورسٹی گرانٹس کمیشن نے ایم اے عربی واسلامیات کے مساوی تسلیم کیا ہے جب کہ الیکشن میں حصہ لینے والوں کے لیے بی اے کی شرط لازمی قرار دی گئی ہے تو کیا دینی مدارس کی جاری کردہ یہ سند انتخابی قواعد وضوابط کے تقاضوں پر پورا اترتی ہے؟ چیف الیکشن کمشنر نے اس کا از خود کوئی جواب دینے کی بجائے یہ مسئلہ یونی ورسٹی گرانٹس کمیشن آف پاکستان کی طرف بھجوادیا کہ یو جی سی کو اس سند کی حیثیت پر کوئی اعتراض تو نہیں؟ یو جی سی نے الیکشن کمیشن کو جواب دیا کہ یہ سند ہمارے ہاں ۱۹۸۲ء سے ایم اے عربی وایم اے اسلامیات کے مساوی تسلیم شدہ ہے لہٰذا اس کے حاملین اس سند کی بنیاد پر الیکشن میں حصہ لے سکتے ہیں۔ اس کے بعد چیف الیکشن کمشنر نے چاروں صوبوں کے ہائی کورٹس کے جسٹس حضرات سے جو صوبائی الیکشن کمشنر کے طور پر کام کر رہے تھے رائے طلب کی۔

ہائی کورٹس کے ان ججز نے یو جی سی کے نوٹیفکیشن کی بنیاد پر متفقہ رائے دی کہ دینی اسناد کے حاملین الیکشن میں حصہ لینے کے اہل ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد چیف الیکشن کمشنر نے ۲۹ جولائی ۲۰۰۲ء کو دینی مدارس کے فضلاء کے لیے ۱۴۲۱ دی گزٹ آف پاکستان دینی ایکٹ کے تحت دینی مدارس کے فضلاء کے لیے سند کی بنیاد پر الیکشن میں حصہ لینے کا نوٹیفکیشن جاری کیا۔ واضح رہے کہ موجودہ چیف الیکشن کمشنر سابق چیف جسٹس آف پاکستان ہیں، گویا عدلیہ سے تعلق رکھنے والی ایک اعلیٰ ترین شخصیت نے یہ نوٹیفکیشن جاری کیا۔

الیکشن کمیشن اور یونی ورسٹی گرانٹس کمیشن کی طرف سے ان واضح اور غیر مبہم نوٹیفکیشن کے اجراء کے بعد اس مسئلہ میں کوئی ابہام نہ رہا کہ دینی مدارس کے فضلاء الیکشن میں حصہ لینے کے اہل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت اس نوٹیفکیشن کے خلاف کسی شخص نے عدالت سے رجوع نہیں کیا، لیکن الیکشن کے ساتھ آٹھ ماہ گزر جانے کے بعد یکایک بعض "فرض شناس" اور "محافظین آئین پاکستان" پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ مجلس عمل کے ٹکٹ پر منتخب ہونے والے حضرات بی اے کی لازمی شرط کو پورا نہیں کرتے۔

کشف حقائق یا چودہ طبق روشن ہونے کی اصل وجہ یہ بنی کہ دینی قوتوں کے خلاف پروپیگنڈے کی فضا میں کسی کے حاشیہ خیال میں بھی یہ نہ تھا کہ کبھی بھی تین فیصد سے زیادہ سیٹیں نہ لینے والی دینی جماعتیں ملکی سیاست کا رخ بدل کر رکھ دیں گی۔ چنانچہ اب دینی جماعتوں کا یہ مضبوط اتحاد دین دشمن حلقوں کی نظر میں خار کی طرح کھٹک رہا ہے اور وہ دینی جماعتوں کے اس اتحاد کو کمزور اور بے اثر کرنے کے درپے ہیں۔ اس سلسلہ میں جو سب سے بڑی دلیل دی گئی وہ یہ ہے کہ یونی ورسٹی گرانٹس کمیشن کے نوٹیفکیشن میں Purposes for Teaching کے الفاظ ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سند تعلیمی وتدریسی مقاصد کے لیے ایم اے کے برابر ہے۔ عوامی نمائندگی اور قانون سازی کے لیے نہیں۔

اس ضمن میں سب سے پہلی گزارش یہ ہے کہ الیکشن میں بی اے کی شرط کا حاصل یہ تھا کہ ناخواندہ اور انگوٹھا چھاپ قسم کے پیشہ ور سیاستدان اسمبلی میں نہ آئیں بلکہ یہ ایوان تعلیم یافتہ ارکان پر مشتمل ہو جو اسمبلی میں قانون سازی کے تقاضوں کو سمجھتے ہوں، جب یونی ورسٹی گرانٹس کمیشن نے دینی مدارس کی سند کو ایم اے کے مساوی اور اس کے حاملین کو تعلیم یافتہ تسلیم کر لیا تو یہ سوال بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے کہ اس سند کا اجراء کس مقصد کے لیے کیا گیا ہے؟ نیز اس منطق کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر وکلاء اور ایم اے سیاسیات کرنے والوں کے علاوہ کوئی بھی تعلیم یافتہ شخص اسمبلی کا ممبر بننے کا اہل نہیں رہتا۔ کون نہیں جانتا کہ ایم بی بی ایس کی ڈگری قانون سازی کے لیے نہیں پیشہ طب میں ابتدائی مہارت رکھنے پر دی جاتی ہے، انجینئرنگ میں ایم ایس سی کرنے والا دستور اور قانون کی پیچیدگیوں سے یکسر بے خبر ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی سوال ہے کہ محض بی اے کرنے والے نے قانون سازی کی کون سی تعلیم حاصل کی ہے کہ اسے اس کا اہل قرار دیا جائے، اگر ڈاکٹر، انجینئر اور عام گریجویٹ قانون سازی کی تعلیم وتدریس سے لاتعلق ہونے کے باوجود صرف اس لیے اسمبلی کا ممبر بن سکتا ہے کہ وہ "تعلیم یافتہ" ہے تو علمائے دین آپ ہی کے اداروں کی مسلمہ سند رکھنے کے باوجود "تعلیم یافتہ" شمار ہونے کی صف سے کیسے نکل گئے؟ بلکہ اگر غور کیا جائے تو ارکان اسمبلی کے لیے دنیاوی تعلیم یافتہ ہونے کی بجائے دینی طور پر تعلیم یافتہ ہونا زیادہ ضروری ہے۔ اس لیے کہ

دستورپاکستان میں یہ صراحت موجود ہے کہ کوئی قانون سازی قرآن، سنت کے خلاف نہیں کی جاسکے گی۔

اس کا ضروری تقاضا ہے کہ تمام ارکان اسمبلی نہ صرف ضروریاتِ دین سے باخبر ہوں بلکہ قرآن وسنت کا ماہرانہ مطالعہ رکھتے ہوں تاکہ کوئی قانون سازی کتاب وسنت کے خلاف نہ ہو، بلکہ تعصب سے بالاتر ہوکر دیکھا جائے تو آئین کی اس شق کے تحت صرف علماء کرام ہی اسمبلی کی رکنیت کے اہل قرار پاتے ہیں۔ اس لیے جو رکن اسمبلی بی اے ہو مگر قرآن مجید ناظرہ پڑھنے کی صلاحیت نہ رکھتا وہ قرآن وسنت کے تقاضوں کو کب سمجھے گا اور کیا قانون سازی کرے گا؟ پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ جب ایک شخص کو عالم، فاضل، ماہر اور علم کی ایک شاخ کا ماسٹر تسلیم کرلیا گیا اور اسے تعلیمی اداروں، اسکولوں، کالجوں اور یونی ورسٹیوں میں تدریس کا اہل قرار دے دیا گیا تو اسمبلی کی رکنیت کے لیے وہ کیوں کر نااہل ہے؟ دیکھیے کوئی گریجویٹ کالج یا یونی ورسٹی میں تدریس کا اہل نہیں جب کہ وہ اسمبلی کا ممبر بن سکتا ہے، اس گریجویٹ کو تعلیم دینے والے اساتذہ "وفاق" کے سند یافتہ ہوسکتے ہیں، تو یہ کس قدر غیر منطقی بات ہے کہ بی اے پاس شاگرد تو اسمبلی کی رکنیت کا اہل ہو مگر ایم اے پاس استاذ اہل نہ ہو۔ کیا یہ رائے واضح طور پر عصبیت اور جانبداری کی غماز نہیں؟

یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ ۱۹۷۳ء میں آئین کے مطابق "اسلامی نظریاتی کونسل" کا ادارہ تشکیل دیا گیا تھا جس کا کام نفاذ اسلام کے لیے سفارشات کی تیاری اور قرآن وسنت کے مطابق قانون سازی میں اسمبلی کی رہنمائی کرنا ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کے لیے زیادہ تر متبحر اور ماہر فن علماء کو نامزد کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ریٹائرڈ جج اور سینیئر وکلاء بھی اس کے ممبر ہوتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب علماء اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر ہونے کی حیثیت سے اسمبلی کی رہنمائی کے اہل ہیں تو ممبر اسمبلی بننے کے لیے کیوں نااہل ہیں؟ بلکہ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کو قانونی شکل دینے سے پہلے ایسے افراد کا غور وفکر اور مشاورت ضروری ہے جو کتاب وسنت کے ماہر ہوں تاکہ قانون سازی صحیح خطوط پر ہوسکے۔ قرآن وسنت سے ناواقف ارکان اسمبلی پر "اسلامی نظریاتی کونسل" کی سفارشات کے ناقدانہ جائزہ کا بوجھ ڈالنا "تکلیف مالایطاق" ہے اور اگر یہ بوجھ زبردستی ان پر ڈال دیا گیا تو اسلامائزیشن سے متعلق سفارشات کا جو حشر ہوگا وہ بھی چنداں پوشیدہ نہیں۔

معروضات کا حاصل یہ ہے کہ:

۱۔ ملک کے مختلف دینی وفاقوں کی جانب سے جاری کردہ سند یونی ورسٹی گرانٹس کمیشن کی منظور کردہ اور ایم اے عربی، ایم اے اسلامیات کے مساوی ہے ۲۔ اس سند کو قابل قبول قرار دیتے ہوئے الیکشن کمیشن آف پاکستان ایسے تمام امیدواروں کو انتخاب میں حصہ لینے کا اہل قرار دے چکا ہے جو اس سند کے حامل ہیں۔ ۳۔ جو سند تعلیمی وتدریسی مقاصد کے لیے قابل قبول ہے وہ قانون سازی کے لیے بھی قابل قبول ہے۔ ۴۔ پاکستان کے آئین کی بنیاد قرآن وسنت پر ہے جب کہ صرف اسی سند کے حاملین قرآن وسنت سے واقفیت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ ۵۔ اگر ڈاکٹرز، انجینیرز اور دوسری پیشہ وارانہ تعلیم کے حاملین اسمبلی کے ممبر بن سکتے ہیں جن کے پیشوں کا قانون سازی اور عوامی نمائندگی کے ساتھ کوئی تعلیم نہیں تو علماء کرام اسمبلی کے ممبر کیوں نہیں بن سکتے، جن کا قرآن وسنت کے مطابق قانون سازی سے براہ راست تعلق ہے، اس لیے کہ فقہ اسلامی قرآن وسنت کے قانون ہی کا نام ہے اور علماء کرام کی زندگیاں اسی کی تدریس میں گزرتی ہیں ۶۔ "اسلامی نظریاتی کونسل" کی سفارشات کا جائزہ لینے کے لیے کتاب وسنت کے ماہرین کا اسمبلی میں ہونا ضروری ہے۔

آخر میں یہ گزارش بھی ملحوظ رہے کہ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی میں وزیراعظم لیاقت علی خان اور تحریک پاکستان کے صف اول کے رہنماؤں کی موجودگی میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے قرارداد مقاصد پیش کرکے اور منظور کرواکر یہ مسئلہ ہمیشہ کے لیے طے کردیا کہ پاکستان کا سپریم لاء قرآن وسنت ہے اور اس کے لیے ماہرین شریعت کی رہنمائی ناگزیر ہے۔ ہماری رائے میں سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے طے شدہ امور کو ملیامیٹ کرنے کی سوچ ملک وملت کے لیے حد درجہ ضرر رساں ہوگی۔ اس لیے حکومت کو چاہیے کہ وہ اپنے سیاسی مخالفین کا مقابلہ کرنے کے لیے کھیل کے اصولوں کی پابندی کرے۔ فاؤل پلے نہ کرے کہ اس کا نتیجہ خود اس کے حق میں خوشگوار ثابت نہ ہوگا۔

☆☆☆